باب۔۵

ترجمہ

فص ابراہیمیہ

حکمت مہیمیہ

حضرت ابراہیمؑ کا نام خلیل رکھا گیا۔ اس لیے کہ وہ، تمام صفاتِ الٰہیہ میں سرایت کر گئے تھے، یعنی (وہ) اسما میں داخل اور ان کا مجلی و مظہر ہو گئے تھے۔۔۔(وہ) ان تمام صفات کو حاوی و جامع تھے جن سے ذاتِ الٰہیہ متصف ہے۔۔۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

قدتخلّلت مسلک الروح منی وبذا سمّی الخلیل خلیلاً

تو میرے جسم میں وہاں وہاں داخل ہو گیا ہے، جہاں جہاں میری روح داخل ہوتی ہے

یہی وجہ ہے کہ دوست کو خلیل کہتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسماے الٰہیہ میں داخل ہونا ایسا ہے جیسے رنگ، جو عرض ہے کپڑے میں، اور (اس کا) جو جوہر ہے (وہ) داخل ہوتا ہے اور کپڑے کے ہر حصے میں سرایت کر جاتا ہے۔ (مگر) خلیل کا اسما میں داخل ہونا ایسا نہیں ہے جیسے مکین، مکان میں حلول کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام خلیل اس لیے ہوا کہ حق تعالیٰ، صورتِ وجودیِ ابراہیمؑ میں داخل ہو گیا ہے، خواہ یہ صورت روحانی ہو یا جسمانی، دنیوی ہو یا اُخروی۔۔۔ یا اس لیے (ہو سکتا ہے) کہ حق تعالیٰ ہر ایک حکم (اور) ہر ایک اثر میں داخل ہو گیا ہے، جو وجود صورتِ ابراہیمیؑ پر صحیح ہے۔ یا یہ (بھی ہو سکتا ہے) کہ سریانِ خلیل، اسماے حق میں اور سریانِ حق، احکام و آثار (میں) خلیل ہیں۔ دونوں صحیح ہیں۔ کیوں کہ ہر حکم کے لیے ایک محل ہے جہاں وہ ظہور کرتا ہے اور وہ حکم اس محل سے تجاوز نہیں کرتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق تعالیٰ بحیثیت تعین و تقید کے صفاتِ محدثات و مخلوقات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کو خود حق تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے، اور صفاتِ نقص و صفاتِ ذم (یعنی قابلِ مذمت صفت) سے بھی موصوف ہوتا ہے۔ مگر

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتاً اور بالذات وہ نقص، تعین و ظہور کی وجہ سے، اور اس کی صفت سے ہے۔ جیسے، اللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ،(یعنی) اللہ ان کا ٹھٹا اڑاتا ہے (یا) ان کے ٹھٹا اڑانے کا بدلا کرتا ہے، (البقرۃ:۱۵)۔ اور، وَمَکَرُوا وَمَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِینَ،(یعنی) اور انھوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی ان کے ساتھ ویسا ہی کام کیا، اور ان کے مکر کا بدلا لیا۔ خفیہ و پوشیدہ کام کرنے والوں میں خدا سے بڑھ کر کون ہے، (اٰل عمران:۵۴)۔

سریان (یا ایک دوسرے میں مدغم ہو جانا) حق ہے صور محدثات و مخلوقات میں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ انسانِ کامل، حق تعالیٰ کے تمام صفات سے {بجز وجوب واستغنائے ذاتی کے} موصوف ہوتا ہے۔ تمام صفات، حق کے مخلوق، خصوصاً انسانِ کامل کے لیے ثابت ہیں۔ جیسے کہ مخلوقات و محدثات کے صفات، حق کے اصل وجوداتِ خاصہ ہونے کے لحاظ سے حق تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ،(یعنی) تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، (الفاتحہ:۱)۔ یعنی تعریف کرنا اور تعریف کیا جانا انجام کے لحاظ سے دونوں حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پس وہی حامد ہے وہی محمود ہے۔ وَاِلَیْہِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہُ،(یعنی) اسی کی طرف تمام کاروبار رجوع کرتا ہے، (ھود:۱۲۳)۔ پس یہ ارشاد، مذموم و محمود دونوں کو عام ہے۔ واقع اور عالم میں کوئی چیز محمود و مذموم ہونے سے خالی نہیں۔

واضح ہو کہ کوئی چیز کسی چیز میں سرایت کرتی اور اس میں داخل ہوتی ہے تو شئے ساری {یعنی وہ شئے جس میں سریان ہوا} کو لے لیتی اور چھپا لیتی ہے۔ پس متحلل {بہ صیغۂ اسم فاعل یعنی ساری} متحلل فیہ {بہ صیغۂ اسم مفعول یعنی جس میں سریان ہوا ہے} (میں) پوشیدہ و مخفی رہتا ہے، اور وہ ظاہر ہوتا ہے۔۔۔ اور باطن، ظاہر میں بطور غذا کے رہتا ہے۔ جیسے پانی، صوف (یعنی اون) میں داخل ہوتا ہے تو صوف، پانی سے بڑھتا اور پھولتا ہے۔ پس اگر حق تعالیٰ ظاہر ہو تو بندہ مستور و مخفی ہوتا ہے، اور بندے کی نظر میں احکام و آثار، حق تعالیٰ کی طرف مستند رہتے ہیں۔ پس بندہ، حق تعالیٰ کے اسما ہو جاتا ہے۔ جیسے سمع اور بصر، وغیرہ۔ اس وقت کہا جاتا ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کا ہاتھ ہو گیا ہے۔۔۔ یعنی حق تعالیٰ کو دینا ہوتا ہے تو بندے کے ذریعے سے دیتا ہے۔ یہ نتیجہ ہے قربِ فرائض کا۔۔۔ اور اگر بندہ ظاہر ہوتا ہے تو حق تعالیٰ باطن ہو جاتا ہے۔ اس وقت کہا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ بندے کی بصارت، ہاتھ، پاؤں اور جمیع قویٰ ہو جاتا ہے۔ یعنی بندہ جو کام لیتا ہے، حق تعالیٰ سے لیتا ہے۔ یہ نتیجہ قرب نوافل اور صدق توکل کا ہے، جیسے کہ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے۔

اگر ذاتِ حق کو تمام نسبتوں اور اضافتوں سے قطع نظر کر کے دیکھیں اور صرف ذات ملحوظ ہو تو اس میں اللہ ہے نہ بندہ ہے۔ واضح ہو کہ کبھی لفظ اللہ کہتے ہیں اور ذاتِ حقہ' مراد لیتے ہیں۔ اس وقت اسم اللہ اسم ذات ہوتا ہے اور اس کے مقابل کوئی نہیں رہتا۔ کبھی لفظ اللہ کہتے ہیں اور اس سے شانِ الوہیت مراد لیتے جس کے مقابل بندہ ہے۔

مقام وصل میں سوچو، تو اللہ ہے نہ بندہ ہے

یہ نسبتیں، (یہ رشتے) کہاں سے پیدا ہوئے۔ ہمارے اعیان نے ان نسبتوں کو پیدا کیا۔ ہم بندے ہیں تو وہ اللہ ہے۔ ہم عابد ہیں تو وہ معبود ہے۔ ہم محب ہیں تو وہ محبوب ہے۔

میری مجھی میں مخفی
یار کی محبوبیت ہے
نہ نیاز تھا نہ ناز تھا، نہ درِ کمال ہی باز تھا
مری جانِ جاں تھا نہاں رہا، ترا ناز میرے نیاز میں

پس ہم معلوم ہوں گے تو اسی نسبت سے ہم کو اللہ تعالیٰ کا علم بھی ہو گا۔ اسی لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من عرف نفسه فقد عرف ربه، {یعنی} خود شناسی میں خدا شناسی ہے، (حدیث۔ کتب الصوفیہ)۔

خود فہمی ہے خدا فہمی اس میں راز حقیقت ہے

ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ ساری خلق سے زیادہ خدا شناس ہیں، اور یہ، آپؐ کا ارشاد (بھی) ہے۔

بعض حکما، اور امام ابو حامد محمد غزالیؒ نے دعویٰ کیا کہ عالم میں نظر کیے بغیر اللہ کا علم ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ واضح ہو کہ امام غزالیؒ لفظ اللہ کہہ کر "ذاتِ حقہ" مراد لے رہے ہیں۔ (قرآن میں ہے) شَهِدَ اللَّـهُ أَنَّهُ لَا إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ، (یعنی) اللہ شہادت دیتا ہے کہ اس کے سوائے کوئی معبود نہیں، (ال عمران :۱۸)۔ کسی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا، بما عرفت اللہ۔ (یعنی) کس چیز کے ذریعے آپ نے اللہ تعالیٰ کو سمجھا۔ آپؐ نے فرمایا، باللہ عرفت الاشیاءً۔ (یعنی) اللہ ہی کے ذریعے سے میں نے سب کو سمجھا۔ اور شیخ ابن عربیؒ لفظ اللہ کہہ کر "معبود بحق" مراد لے رہے ہیں۔ اور یہ اختلاف، لفظ اللہ کے دو مقام میں مشترک طور پر مستعمل ہونے سے پیدا ہوا۔ پس فی الحقیقت حضرت غزالیؒ اور حضرت ابن العربیؒ میں کوئی اختلاف نہیں۔۔۔ ہاں ایک ذات، قدیم (اور) ازلی بے شک معلوم ہوتی ہے مگر اس کی الوہیت و معبودیت تو بندے کی نسبت سے معلوم ہو گی۔ پس عالم، اللہ پر بمعنی معبود بحق دلالت کرتا ہے۔ پھر عالم سے اللہ و معبود کی معرفت کے بعد تم پر منکشف ہو گا کہ خود حق جل مجدہ اپنے آپ، یعنی وجود ذات پر دلیل ہے۔ اپنی الوہیت پر دلیل ہے۔

یہ عالم کیا ہے؟۔۔ ذات کی اعیان ثابتہ پر تجلی ہے۔ ان اعیان ثابتہ کا وجود بغیر وجودِ حق کے کیوں کر ہو سکتا ہے۔ ذاتِ حقہ ہی حقائق اعیان ثابتہ اور ان کے احکام کے لحاظ سے رنگا رنگ، متنوع، صورت پذیر اور ظاہر ہوتا ہے۔ مگر یہ سب اسی وقت ہوتا ہے کہ ہم پہلے اس کو معبود مان لیں۔ پھر ذاتِ حق میں بعض، بعض کے لیے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور بعض، بعض سے متمیز و ممتاز و جدا ہوتے ہیں۔ پھر عارفین میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو جانتے ہیں کہ ہماری یہ باہمی معرفت، حق تعالیٰ ہی میں واقع ہوئی ہے۔ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو نہیں جانتے کہ دوسروں کا جاننا کس میں اور کس حضرت اور محل (یعنی کس صورت اور کس مقام) میں واقع ہے۔أَعُوذُ بِاللَّـهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ، (یعنی) جاہلوں میں ہونے سے میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں،(البقرۃ: ۶۷)۔۔۔ ان دو کشفوں میں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وہی حکم کرتا ہے جو ہمارے عین ثابتہ اور حقیقت کا اقتضا ہے۔ نہیں نہیں۔ ہم خود اپنے نفسوں پر ہمارے عین ثابتہ کے مطابق حکم کرتے ہیں۔ مگر یہ حکم، علم حق میں ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا،فَلِلَّـهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ،(یعنی) {مجوبین اور غافلین پر} اللہ کی پوری حجت قائم ہے،(الانعام:۱۴۹)۔ جب وہ ان باتوں میں جو ان کے اغراض کے موافق ہیں حق تعالیٰ سے کہتے ہیں کہ تو نے ہمارے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ پس قیامت کے روز ان پر اصل حال منکشف ہو جائے گا جو آج یہاں دنیا میں عارفوں کو منکشف ہو چکا ہے۔

وہ دیکھ لیں گے کہ حق تعالیٰ نے ان کے ساتھ وہ کام نہیں کیا جس کا انھوں نے دعویٰ کیا تھا۔ کہ اس کو حق تعالیٰ نے کیا ہے۔ بلکہ وہ کام انہی کے عین ثابتہ کا اقتضا تھا۔ کیوں کہ خدائے تعالیٰ ان کو ایسا ہی جانتا تھا جیسے وہ نفس الامر میں تھے۔ لہٰذا ان مجوبین (یا لا علم لوگوں) کی حجت باطل ہو جائے گی۔

دیتا ہے ہر ایک کو حکیم — جس کی جیسی لیاقت ہے
وہی نمایاں ہوتا ہے — جس کی جیسی فطرت ہے
قدر وسع آئینہ — ظاہر ہوتی صورت ہے
ظاہر خیر و شر سب کا — کرتا رب العزت ہے
برا بھلا ہم کرتے ہیں — منشا کیوں کہ طبیعت ہے

اگر تم کہو کہ قولہٗ تعالیٰ،فَلَوْشَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ،(یعنی) اگر خدا چاہتا تو سب کو ہدایت دیتا، (الانعام:۱۴۹)، کا کیا فائدہ؟۔۔۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حرف "لَو"(یعنی 'اگر') لا متناع الثانی ،لا متناع الاول کے لیے ہے۔ یعنی جزا اس لیے ممتنع (یا نا قابل حصول) ہے کہ شرطِ ممتنع ہے۔ پس نہ اللہ نے چاہا، نہ سب کو ہدایت دی۔ اللہ نے تو وہی چاہا جو نفس الامر میں تھا، اور عین کا اقتضا تھا۔

ہر چند کہ عقل کے پاس عین ثابتہ ممکن، بحیثیت ممکن ہونے کے، وجود و عدم، خیر و شر ہے اور اس کے نقیض (یعنی ایسی دو باتیں جو باہم یکجا تو نہ ہوں لیکن ان میں سے کسی ایک کا پایا جانا ضروری ہے) کا قابل و متحمل ہے۔ پھر ان دو عقلی حکموں میں سے جو واقع ہو جائے وہی عین ثابتہ کا مقتضی تھا۔ اور لَهَدَاكُمْ کے معنی لِيُبَيِّنَ لَكُمْ کے ہیں، یعنی اگر چاہتا تو تم پر ظاہر کر دیتا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کی چشم بصیرت ایسی نہیں کھولی کہ اشیا کی فطرت اور ان کی حالتِ نفس الامر (یعنی اصل مدعا) کو جانتا ہو۔ کیوں کہ بعض لوگ اقتضاے عین سے عالم ہیں اور بعض جاہل۔ اسی لیے نہ سب کی ہدایت چاہی، نہ سب کو ہدایت کی، اور نہ سب کی ہدایت چاہے گا۔ یہ تو لو یشآء (اگر وہ چاہتا) تھا۔ ان یشآء (اگر چاہے) اور فھل یشآء (کیا خدا چاہے گا) کا بھی یہی حکم ہے۔ خداے تعالیٰ کبھی خلافِ اقتضا اور منافیِ حکمت نہیں کرے گا۔ ہماری یہ تمام بحث اس شئے کے متعلق ہے جو ہونے والی نہیں ہے۔

ارادۂ الٰہی کو سب سے برابر کا تعلق ہے۔ پھر جس کی فطرت میں ہدایت ہو گی، ہدایت پائے گا۔ جس کا اقتضا ہو گا ضلالت (وگمراہی) پر رہے گا۔ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (یعنی) جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے، (الکھف:۲۹)۔ مشیتِ الٰہی ایک نسبت ہے۔ تابعِ علم ہے۔ علم، تابعِ معلوم ہے۔ یعنی خداے تعالیٰ اسی کا ارادہ کرتا ہے جو جانتا ہے اور ایسا ہی ہے جیسا کہ معلوم نفس الامر میں ہے۔

غرض یہ کہ معلوم، علم کا تابع نہیں ہوتا، بلکہ علم، معلوم کا تابع ہوتا ہے۔ پس معلوم وہی دکھائی دیتا ہے جیسا کہ وہ خود نفس الامر میں ہے۔۔۔ معلوم کیا ہے؟۔۔۔ تم ہو اور تمھارے حالات ہیں۔ خطابِ الٰہی یعنی اوامر و نواہیٔ خداوندی کس کے موافق ہوتے ہیں؟۔۔۔ چوں کہ نظر و فکر عقلی پر سب کا اتفاق ہے اور اصحابِ کشف و شہود کم ہیں لہٰذا خطابِ الٰہی، موافقِ عقل دیا گیا۔ موافقِ کشف نہیں دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مومن تو بہت ہیں اور عارف اور صاحبِ کشف کم ہیں۔

ہم لوگوں سے ہر ایک کے لیے ایک مقام معلوم ہے، اور ایک مرتبہ، علم الٰہی میں معین ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتا۔ وہ مقام کونسا ہے؟۔۔۔ وہ مقام، وہ ہے جس کے ساتھ علم الٰہی اور مرتبہ ثبوت میں تھے۔ پھر اس کے ساتھ تم وجودِ خارجی میں ظاہر و نمایاں ہوئے۔ یہ تو اس نظر پر مبنی ہے کہ تمھارے لیے وجود ہے۔ اگر اس نظر سے دیکھو کہ وجود، حق تعالیٰ کا ہے تمھارا نہیں ہے تو تمھارے مخصوص احکام و آثار کے حاکم بے شک تم ہو، مگر وجودِ حق میں۔ اگر تمھاری نظر میں تم موجود، بوجود بالعرض ہو تو بے شک وجودِ حق مرآۃ اعیان ہو گا۔ وجودِ حق کے توسط سے اعیان و حقائق نمایاں ہوں گے تو اس صورت میں بھی تم ہی حاکم ہو گے

اور حق تعالیٰ افاضہ وعطاے وجود کرے گا، مگر کوئی حکم تمھارے عین ثابتہ کے خلاف نہ دے گا۔ بہر حال تم پر تمھارے طرف ہی احکام و آثار منسوب ہوں گے۔ لہٰذا تعریف کرو تو تم اپنی ۔۔۔مذمت کرو تو تم اپنی۔۔۔ افاضہ وعطاے وجود کی حمد، حق تعالیٰ کے لیے ہی رہی۔ کیوں کہ وجود کا عطا کرنا تمھارا کام نہیں، حق تعالیٰ کا کام ہے۔ جب حق تعالیٰ مشہود ہو اور اعیان و حقائق اور آئینے و مرایا ہوں تو تم ذریعۂ احکام ہوگے۔ جب اعیان کو موجود جانو اور وجودِ حق، مرآت و ذریعہ بنے، تو حق تعالیٰ حکم وجود کا ذریعہ ہو گا۔ پس جس طرح تم ذریعۂ حکم ہو وہ بھی ذریعۂ حکم ہے۔ پس حکم کبھی اس سے تم کو پہنچتا ہے (اور) کبھی تم سے اس کو پہنچتا ہے، مگر تم مکلف (یعنی ذمے دار اور جوابدہ) کہلاتے ہو (اور) وہ مکلف نہیں کہلاتا۔ حق تعالیٰ اُسی چیز کا تم کو مکلف کرتا ہے جس کو تم نے زبانِ حال سے طلب کیا تھا، اور جس حال اور جس استعداد پر تم نفس الامر میں تھے۔ لہٰذا وہ مکلف نہ ہوا (بلکہ) تم مکلف ہوئے۔

فیحمدنی و احمدہٗ۔ حق تعالیٰ مجھ پر افاضۂ وجود فرما کر کئی راہ سے حمد کرتا ہے {۱۔ میرے کمالات نمایاں کر کے، ۲۔ بندوں کی اپنے کلام سے تعریف کرتے وقت، ۳۔ بندوں کی زبان سے} اور میں اس کی حمد کرتا ہوں {۱۔ زبانِ قال سے، ۲۔ زبانِ حال سے، ۳۔ زبانِ فعل سے}۔

ویعبدنی واعبدہٗ۔ وہ مجھے سرفراز کرتا ہے {جو کچھ میں اپنی زبانِ حال، زبانِ استعدادِ وجود اور توابعِ وجود سے سوال کرتا ہوں} اور میں اس کی عبادت کرتا ہوں۔۔۔ ظاہر میں اس کے حدود و حقوق و اوامر و نواہی کی پابندی کر کے اور باطن میں تجلیاتِ ذاتیہ و اسمائیہ قبول کر کے۔

ففی حالٍ اقرّبہٖ۔ {مراتبِ الٰہیہ میں} اپنی حقیقت کی راہ سے اس کا اقرار کرتا ہوں۔

وفی الاعیان احجدہٗ۔ اور جب اعیانِ خارجیہ میں تجلی کرتا ہے {تو امتیاز کی وجہ سے} اس سے انکار بھی کرتا ہوں۔

فیعرفنی وانکر۔ وہ تو مجھے تمام مقامات میں جانتا ہے، مگر میں اس کو ہر جگہ نہیں جانتا۔

واعرفہ فاشھدہٗ۔ {جب حجابات اُٹھ جاتے ہیں تو} اس کا شہود مجھے بھی حاصل ہوتا ہے۔

فانی بالغنیٰ وانا۔ ہر چند کہ حق تعالیٰ اپنی ذات و وجود کے لحاظ سے غنی ہے، مگر۔۔۔

اُساعدہٗ و اُسعدہٗ۔ {اظہار اسما و صفات میں مظاہر کی ضرورت ہے لہٰذا ممکنات و مخلوقات سے} اس کو اعانت و مساعدت ہے۔

لذا کالحق اوجدنی۔ اسی اظہارِ کمالات کے لیے حق تعالیٰ نے ممکنات کو ایجاد کیا۔ پیدا کیا۔

فاعلمہ فاوجدہٗ۔ میں اس کو جانتا ہوں، اور اپنے اور طالبین کے خیال میں اس کی صورت قائم کرتا ہوں۔

ہذا جاء الحدیث لنا (یعنی یہ حدیث ہم تک پہنچی ہے کہ)، کنت کنزاً مخفیاً (لا اعرف) فاحببت ان اُعرف فخلقت الخلق، [یعنی میں پوشیدہ خزانہ تھا (مجھے کوئی نہیں پہچانتا تھا) مجھے شوق ہوا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوقات کو پیدا کیا (حدیث قدسی۔ الأسرار المرفوعہ في الأخبار الموضوعہ، تذکرۃ الموضوعات للفتنی] سے ثابت ہوتا ہے کہ غایتِ ایجادِ خلق (یعنی تخلیقِ کائنات کا اصل مقصد)، معرفت الٰہی ہے۔

وحقق فی مقصدہٗ۔ اور یہی اس کا مقصد ثابت ہوتا ہے۔

جب حضرت (ابراہیم) خلیل اللہ علیہ السلام کا یہ مرتبہ ہوا کہ وہ تمام حضرات و مقاماتِ اسمائے الٰہیہ میں داخل ہوگئے تھے، جس کے سبب سے ان کا نام خلیل ہوا، تو اسی لیے انھوں نے مہمانی و ضیافت کا طریقہ ایجاد کیا۔۔۔ ابن مسرت جبلیؒ، ابراہیم علیہ السلام کو میکائیل علیہ السلام کے مشابہ سمجھتے ہیں۔ (اور) بعض کا خیال ہے کہ بروز قیامت، عرشِ الٰہی کو چار فرشتے اور چار پیغمبر اُٹھائیں گے۔ جس پائے پر جناب میکائیل ہوں گے اسی پائے پر حضرت ابراہیمؑ بھی ہوں گے۔

مرزوقین کی غذا رزق سے ہوتی ہے۔ رزاق، ذاتِ مرزوق میں، یعنی کھانے والے تن میں، اس طور سرایت کرتا اور داخل ہو جاتا ہے کہ کوئی عضو، بغیر سریانِ غذا کے (یعنی بنا ہضم ہوئے) باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح حضرت خلیل اللہ تمام مقاماتِ الٰہی میں سرایت کر گئے۔ مقاماتِ الٰہی کی تعبیر اسما سے کرتے ہیں، کیوں کہ غذا، متغذی (یعنی کھانے والے) کے ہر جز میں سریان کرتی ہے۔ اور ذاتِ حق تو بسیط ہے۔ مرکب نہیں۔۔۔ تو اس کے اجزا بھی نہیں۔ اس کے تو اسما ہیں، جن میں حق تعالیٰ کی ذات سریان کرتی ہے۔ لہٰذا خلیلؑ کا سریان (یعنی ایک دوسرے میں مدغم ہو جانا) ذاتِ الٰہی میں تو ہو نہیں سکتا۔ پس حضراتِ اسما (یعنی اس کے مقدس ناموں) ہی میں ہو گا۔

فنحن لہٗ کما ثبتت
ادلتّنا و نحن لنا

جس طرح ہمارے اعیانِ خارجیہ، اعیان ثابتہ کے مظہر ہیں
اسی طرح ہمارے اعیان ثابتہ بھی اسمائے الٰہی کے مظہر ہیں، یہ ہمارے پاس دلائل سے ثابت ہے

ولیس لہ سوایٰ کونی
فنحن لہٗ کنحن لنا

اور ان کا مظہر انسان کے سوا کوئی نہیں
لہٰذا جیسے ہم ہمارے اعیان کے مظہر ہیں ایسے ہی ہم حق تعالیٰ کے بھی مظہر ہیں

فلی وجھان ھووانا
ولیس لہٗ انا بانا

ممکنات کے دو درجہ اور پہلو ہیں، جہت اطلاق وہویت حقہ سے وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) ہے
اور جہت تقئید سے، میں یا ہم ہیں، حق تعالیٰ کی انانیت ہماری انانیت میں مقید و محبوس نہیں ہے۔

واضح ہو کہ خدائے تعالیٰ کے دو تعین ہیں۔
۱۔ تعینِ ذاتی: جس میں ممکنات کو دخل نہیں، نہ اس کا کوئی مظہر ہے۔
۲۔ تعین باعتبار اسما و صفات کے: اس تعین کے اعیان ثابتہ مظہر ہیں، اور اعیان ثابتہ کے مظہر اعیان خارجیہ ہیں یعنی ہم تم ہیں۔

ولٰکن فی مظھرہٗ
فنحن لہٗ کمثل انا

ہر چند کہ اس کا انا ہمارے انا سے قائم نہیں، مگر اس کے انا کا مظہر ہمارا انا ہے
گویا ہم اس کے لیے مثل ظرف کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے مظاہر کی زبان سے حق بات کو ظاہر فرماتا ہے اور فہم و ادراک کے راستے پر بھی وہی لگاتا ہے۔

Siddiqui Publications